گنجینۂ موش

یا

دکھ کی نجات

منور لکھنوی

پھولوں کی انجمن میں دورہ شمیم کا تھا — دامن کسی حسیں کا دامن نسیم کا تھا
کثرت سے تھے مہیا اسبابِ نور و نکہت — گویا اُمنڈ رہا تھا سیلابِ نور و نکہت
پھولونمیں جو مہک تھی اُڑتی تھی دُور کوسوں — ملتا تھا جزوِ خاطر کیفِ سرور کوسوں
اک جھیل خوبصورت اس کوہ پر رواں تھی — عمرِ طویل پر بھی یہ نازنیں جواں تھی
اس جھیل میں کنول تھے ہر گام پر شگفتہ — تھے اُن کے دیکھنے سے قلب و نظر شگفتہ
رہتے تھے مدتوں سے ذی روح اسمیں آبی — ایک ایک لہر میں تھی اک کیفیت شبابی
تھے مچھلیوں کے جمگھٹ کچھوؤں کی تھی قطاریں — تھیں محوِ سیر اس میں فردوس کی بہاریں
گھڑیال سنگھ ناکے منہ جب نکالتے تھے — حیرت میں ڈالتے تھے ہیبت میں ڈالتے تھے
پانی میں گو مگر[1] تھے شوریدہ سر مگر تھے — گاہے ادھر مگر[2] تھے گاہے ادھر مگر[3] تھے

یہ جھیل الغرض تھی پربت کی جان گویا
رفعت میں اوج میں تھی اک آسمان گویا

کہنے کو داستاں ہے سننے کو داستاں ہے — ہے مظہرِ حقیقت راوی کا جو بیاں ہے
پُر کیف تھے مناظر راحت اثر فضا تھی — پربت کے جنگلوں میں رہتے تھے چند ہاتھی
آتے تھے جھنڈ ان کے پیہم اِدھر اُدھر سے — واقف تھے پاؤں اُنکے مستوں کی رہگذر سے

۱۔ ۲۔ ۳۔ مگر سے مراد ہے مگرمچھ

گردوں وقار تھا اک ان ہاتھیوں کا راجا
فخرِ دیار تھا اک ان ہاتھیوں کا راجا

کہہ کر گجیندر اس کو دُنیا پکارتی تھی
قدموں پہ اُس کے مستی نذریں گزارتی تھی

اک روز جب فلک سے شعلے برس رہے تھے
جھیلیں اُبل رہی تھیں پربت جھلس رہے تھے

تھا جیٹھ کا مہینا مشکل تھا سخت جینا
ادہن بنا ہوا تھا بہتا تھا جو پسینا

اُس روز پیاس سے تھا مضطر گجیندر بے حد
پانی کی فکر میں تھا تشنہ گجیندر بے حد

اک جھنڈ ہاتھیوں کا ہمراہ اور بھی تھا
چھوٹا تھا یا بڑا تھا بیتابِ تشنگی تھا

تھا یہ عظیم لشکر پانی کی جستجو میں
بھونرے تھے مست لیکن اس وقت رنگ و بو میں

حلقے میں ہاتھیوں کے چکّر لگا رہے تھے
سُونڈوں سے سونڈ اپنی ہاتھی ہلا رہے تھے

پیاسے تھے پھر بھی ہاتھی چلنے میں جھومتے تھے
بھونروں کی سرزنش سے سر انکے گھومتے تھے

پیاسا سا تھا پھر بھی ہمت بے حد گجیندر میں تھی
تھا پُرشکوہ، طاقت بے حد گجیندر میں تھی

مٹتی بھی تھی بھوک اسکی ہر چند رہ گزر میں
باقی نہیں رہا تھا پتّہ شجر شجر میں

شاخیں نہ جانے کتنی مستی میں توڑ ڈالیں
اُلجھیں ذرا جو بیلیں فوراً جھنجھوڑ ڈالیں

اونچے تھے خواہ کتنے تھے خواہ سخت کتنے
ٹوٹے پڑے ہوئے تھے پھر بھی درخت کتنے

محوِ خرام یونہیں مستانہ جا رہا تھا
وحشت کی رَو میں گویا دیوانہ جا رہا تھا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

پہنچا بہک بہک کر جب جھیل کے کنارے — بچے ہلاک رہے تھے، جو پیاس کے تھے مارے
اب سُونڈ سے یہ اُن کو پانی پلا رہا تھا — امرت پلا کے گویا مُردے جِلا رہا تھا
کی اُس کے پاک جل سے کافور پیاس اپنی — خود جھیل میں اُتر کر کی دُور پیاس اپنی
پھر کھیلنے لگا وہ بچوں کو ساتھ لے کر — کرتا تھا پیار اُن کو سُونڈ اُن میں سُونڈ دیکر
محبوب ہتھنیوں پر پانی اُچھالتا تھا — موجوں کو دیکھ جنبش چکّر میں ڈالتا تھا
حد سے گزر گیا تھا کچھ اتنی بیخودی تھی — مستی شباب کی یہ مستی شراب کی تھی
آسودگی میں گم تھی اب پیاس کی اذیت — وہ زعم تھا خودی کا، بے راہ تھی طبیعت
مستی میں اپنے آگے سب کو بُھلا دیا تھا — سر پر خودی کا بُت گویا اُٹھا لیا تھا
گو تھا بلند قامت، پھر بھی دل میں پستی — آخر کو رنگ لائی گجراج کی یہ مستی
اس پر خودی کا نشّہ اتنا چڑھا ہوا تھا — اس کی خودی کا دریا اتنا بڑھا ہوا تھا
سر میں ہوائے نخوت کچھ اتنی بھر گئی تھی — جو موج بھی تھی دل کی حد سے گزر گئی تھی
قدرت کو توڑنا تھا لیکن غرور اس کا — تھا سرزنش کے قابل فسق و فجور اس کا

ایشور کا نیم[1] ہے یہ، جو بھی ہو اس کا پیارا
خامی کوئی بھی اس کی کرتا نہیں گوارا

[1] نیم یعنی اصول۔ قاعدہ

گم گشتۂ خودی کی تعزیر لازمی تھی — اصلاحِ زندگی کی تدبیر لازمی تھی

قدرت بھی ڈھونڈھتی ہے اصلاح کا بہانہ — ہاتھوں میں سرزنش کا رکھتی ہے تازیانہ

جب اس طرح کلیلیں بدست کر رہا تھا — جس وقت شیطنت کا جذبہ اُبھر رہا تھا

پیچھے سے آکے پکڑی ٹانگ اُسکی اک مگر نے — جبڑوں میں اپنے جکڑی ٹانگ اُسکی اک مگر نے

کوشش گجیندر نے کی فی الفور چھوٹنے کی — صورت نظر نہ آئی کچھ اور چھوٹنے کی

یہ بھی تھا اک بلاکش وہ بھی تھا اک بلاکش — اِس نے بھی کی کشاکش اُس نے بھی کی کشاکش

تھی طرفہ تر لڑائی دونوں کی یہ لڑائی — دونوں طرف سے یکساں تھی زور آزمائی

خود کھینچ کر زمیں پر لاتا کبھی مگر کو — کرتا گجیندر پسپا ظالم کو فتنہ گر کو

لیکن کبھی مگر پھر ہاتھی پہ وار کرتا — پانی میں اس پہ حربہ وہ نابکار کرتا

تا دیر سلسلہ یہ جاری رہا وہاں پر — گو جنگ تھی زمیں پر شہرہ تھا آسماں پر

تھا گراہ کی جکڑ سے اتنا گجیندر خستہ — مایوس ہو گیا تھا بچنے سے۔ دل شکستہ

دونوں کی یہ کشاکش جاری تھی شد و مد سے — ساتھی گجیندر کے سب معذور تھے مدد سے

بیکار سے کھڑے تھے ہمدم تمام اس کے — اس کشمکش میں آیا کوئی نہ کام اس کے

یہ دیکھ کر کہ بچنا مشکل گجیندر کا ہے — اس وقت پانی پانی پِتا گجیندر کا ہے

؎ مگر یعنی مگرمچھ

خود اپنی جان کی اب تشویش ہو رہی تھی
سونے کی طرح گویا تقدیر سو رہی تھی

سب لے کے جان بھاگے، سہمے ہوئے نگر سے
نامردی دکھا کر ٹالی بلا یہ سر سے

اب تھا گجیندر تنہا، ساتھی کوئی نہیں تھا
پیشِ نگاہِ مضطر ہاتھی کوئی نہیں تھا

تھا بیکسی کا عالم کچھ دیر کا تھا جہاں
تھا دمِ فنا کچھ ایسا تھے ہوش اسکے پراں

تاب و تواں پہ جس کو غرّہ کبھی بڑا تھا
رہ رہ کے اپنے دل میں اُسوقت سوچتا تھا

میں جس سے تھا دلاور قسمت کہاں گئی وہ
ہمّت کہاں گئی وہ جرأت کہاں گئی وہ!

چھوٹے سے اک مگر نے چھکّے چھڑا دیے تھے
چھکّے چھڑا دیے تھے یوں ہوش اڑا دیے تھے

بے آس بے مدد تھا، مجبور ہو گیا تھا
مدّت سے لڑتے لڑتے معذور ہو گیا تھا

خود اس کے بال بچے آئے نہ کام اس کے
دم دے گئے تھے وہ بھی جو تھے غلام اس کے

اب اپنے دل ہی دل میں پیہم وہ سوچتا تھا
ہمہ ہو کے بیکسی سے بے دم وہ سوچتا تھا

شاید سزا ملی ہے مجھ کو کسی خطا کی!
نزدیک آگئی ہے ساعت مری فنا کی

گو سیر دیکھتے تھے گندھرب و دیوتا بھی
سن کر پکار میری ٹسکے نہیں ذرا بھی

اب کوئی مجھ کو ارماں اسکے سوا نہیں ہے
کچھ میرے غم کا درماں اسکے سوا نہیں ہے

سب کا جو ہے محافظ اسکی پناہ لوں میں
احباب و اقربا کی اب آس چھوڑ دوں میں

بھگوان کی شرن لی اسوقت صدقِ دل سے　　مجبور ہو رہا تھا جذباتِ متصل سے

مالک کی یاد میں وہ اب غرق تھا فنا تھا
شکتی یہ مل رہی تھی بھگتی میں کھو گیا تھا

گجراج کے لبوں پر فریاد تھی فغاں تھی　　جو التجا تھی اس کی بیکسی کی داستاں تھی
سر اس کا جھک گیا تھا اظہار بندگی میں　　بھگوان کی مدد کا طالب تھا بےبسی میں
بھگوان کون جن سے ہے یہ ظہور سارا　　جن کے کرم کا پیدا نہیں کنارا
ہر جسم عنصری میں جو روح ہے رواں ہے　　جن سے قیامِ تن ہے جو جلوہ پاشِ جاں ہے
ہے ان کی شانِ یکتا ہر شے سے آشکارا　　جینے کا دے رہے ہیں ہر جیو[۱] کو سہارا
آثارِ بزمِ ہستی ہیں آئینہ انھیں سے　　ہیں جس قدر بھی شکلیں، ہیں رونما انھیں سے
ذات ان کی جاوداں ہے ان کو فنا نہیں ہے　　اندیشۂ قیامت یعنی ذرا نہیں ہے
ہستی نہیں کچھ ان کی وابستہ نیستی سے　　رہتے ہیں وہ منور انوارِ دائمی سے
کیا سحر کاریاں ہیں کیا شعبدہ گری ہے　　جو بات بھی ہے اُنکی اعجاز سے بھری ہے
حیرت میں ڈالتی ہے بازیگری نٹوں کی　　ہوتی ہے اک معمہ چابکتری نٹوں کی
بچوں پہ بھید اُن کا کھلتا نہیں ذرا بھی　　جادوگروں کی اُن کو لگتی نہیں ہوا بھی

۱؎ جیو یعنی جاندار

ایسے ہی رازِ قدرت کوئی نہیں سمجھتا! کیا چیز ہے حقیقت۔ کوئی نہیں سمجھتا
انسان پھر ہیں انساں۔ غافل ہیں دیوتا بھی بھگوان کی رضا سے واقف نہیں ذرا بھی
برہما سے دیوتا بھی ہیں جاننے سے قاصر انسان کیوں نہ ہو پھر پہچاننے سے قاصر
ہوتا ہے بے حقیقت جس طرح اک شرارا اس کے مقابلے میں کیا دیوتا کا پارا
سورج میں جو دیکھو مہرِ مبیں کا منظر ثابت ہو اسکی ہستی ذروں سے بھی کچھ احقر
بالکل اسی طرح سے ہیں پست دیوتا بھی ایشور کے آگے اُنکی وقعت نہیں ذرا بھی
وہ برہمہ[1] ہیں وہی ہیں تینوں بھون کے مالک مہر و ہمن کے مالک دشت و دمن کے مالک
میں صدقِ دل سے اُن کی تعظیم کر رہا ہوں تعظیم کر رہا ہوں تکریم کر رہا ہوں
ہیں روپ اُن کے لاکھوں ہیں نام اُنکے لاکھوں ہیں فرش اُن کے لاکھوں ہیں بام اُن کے لاکھوں
بعید ہیں دُور پھر بھی ہر حلقۂ نظر سے ظاہر ہیں وہ اِدھر سے غائب ہیں وہ اُدھر سے
ذاتِ جلیل ان کی ہر قید سے بری ہے جو اُن کی برتری ہے وہ انکی برتری ہے
ہیں اُن کے پائے اقدس خم جن پہ سر مرا ہے ایک ایک ذرہ اُن پر ظاہر ہے آئینہ ہے
رکھتا ہوں آس اُنکی مایوس ہو کے سب سے کرتا ہوں یاد اُنکی تعظیم سے ادب سے
حالانکہ جانور ہوں پھر بھی ہوں داس اُن کا ہے اب تو اک سہارا ہنگامِ یاس اُن کا

[1] برہمہ یعنی ذاتِ بحت - ہستیٔ محض

اِس قیدِ اِس بلا سے دیں گے وہی رہائی — اُن کے سوا کسی کی کیا دوں میں اب دہائی

وہ دھرم کے ہیں رکھشک[1] وہ ارتھ[2] کے ہیں داتا — ہے اب انھیں سے رشتہ ہے اب انھیں سے ناتا

دیتے ہیں کام[3] کی بھی وہ لازوال بخشش — کرتے ہیں موکھش[4] کی بھی وہ بے پناہ بارش

وہ بے مثال دانی، ہر شے کے دینے والے — آغوشِ عاطفت میں دکھیوں کو لینے والے

عورت بھی وہ نہیں ہیں وہ مرد بھی نہیں ہیں — کس طرح ہوں جماعت جب فرد بھی نہیں ہیں

ہر رنگ سے انوکھے ہر ڈھنگ سے نرالے — دکھ سب کے ہرنے[5] والے سکھ سب کو دینے والے

صورت گری سے ان کی تصویر یہ بنی ہے

صرف اُن کی روشنی سے ہر شے میں روشنی ہے

غم جان لے رہا ہے سرگشتہ سخن ہوں — حاضر جو ہر جگہ ہے اُس رام کی شرن[6] ہوں

ہر وصف ہے انوکھا ہر وصف ہے نرالا — ہے اُن کی بات اونچی ہے اُنکی ذات اعلیٰ

ہوتا ہے جوگ پورا ملتا ہے جپ کا ثمرہ — دیتے ہیں تیاگ کا پھل ملتا ہے تپ کا ثمرہ

دنیوں کے ہیں وہ مالک دکھیوں کے ہیں وہ حامی — اُن کے سوا نہیں ہے کوئی کسی کا حامی

رکھشا وہی کریں گے سن کر پکار میری — پت جھاڑ بن چکی ہے لُٹ کر بہار میری

اب کیا کریں بھروسہ اسکے سوا کسی کا — لوں گا نہ بھول کر بھی میں آسرا کسی کا

۱ رکھشک یعنی محافظ ۲ ارتھ یعنی مال و دولت ۳ کام یعنی خواہش یا مقصد ۴ موکھش یعنی نجات۔
۵ ہرنا یعنی دور کرنا ۶ شرن یعنی پناہ۔

اے مالکوں کے مالک میں دامن کش تمہارا
یوں تم کو چھوڑ کر میں کیوں غیر کا سہارا

بپتا کہاں سے آخر مجھ پر یہ آپڑی ہے
اُمّید مجھ سے کوسوں اب دور جا پڑی ہے

یوں تو میں چاہتا ہوں اس گراہ[1] سے رہائی
اس ظلم اس ستم پر دیتا ہوں اب دہائی

مقصد کچھ اور ہی ہے لیکن مری فغاں کا
بن جائے کام کچھ اب مجھ زار ناتواں کا

دنیا کی قید سے بھی بھگون نجات پاؤں
اب موت و زندگی کے اس پھیر میں نہ آؤں

چشمِ کرم ہو ایسی ہو رنج دور میرا
کر دیں معاف سوامی اک اک قصور میرا

جو کچھ بھی رونما ہے وہ رونما ہے تم سے
دنیائیں تین ہیں جو انکی بنا ہے تم سے

پیدائش و فنا کا ہے سلسلہ تمھیں سے
ہے ابتدا تمھیں سے ہے انتہا تمھیں سے

ہے بار صرف تم پر دنیا کی پرورش کا
تم جانتے ہو درماں ہر درد ہر خلش کا

ہو تم گرو جگت کے کرتے ہو رہنمائی
قیدِ غم و الم سے بخشو مجھے رہائی

انسان بھولتا ہے خود اپنے پھل پہ جب تک
رہتا ہے اُس کا تکیہ اپنے عمل پہ جب تک

احباب و اقربا کا لیتا ہے یا سہارا
جبتک حماقتوں سے کرتا نہیں کنارا

ہوتی نہیں ثمر ور اُسکی کوئی بھی خواہش
ہر وقت جان لیوا رہتی ہے فکر و کاہش

مجھ پر بھی کیفیت یہ سوامی گزر رہی ہے
میری خودی مجھی کو برباد کر رہی ہے

[1] گراہ یعنی نگر مچھ

گجیندر موکھش

منظومہ

بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی

مایا[۱] مجھے تمھاری کیوں آزما رہی ہے
چکّر[۲] میں لا رہی ہے پیہم نچا رہی ہے

پھندے میں اس کے پھنس کر برباد ہو چکا ہوں
مغموم ہو رہا ہوں ناشاد ہو رہا ہوں

پھر کیوں ہے یہ تامّل پھر دیر کس لیے ہے
اے روشنی کے مخزن اندھیر کس لیے ہے

دنیا کے مخمصوں نے بیکار کر دیا ہے
جینے سے ہر کسی کو بیزار کر دیا ہے

ہے کس قدر کشاکش کتنی مصیبتیں ہیں
ننھی سی ایک جاں ہے لاکھ اس پہ آفتیں ہیں

جینا ہے کیا یہ آخر مرنا ہے کیا یہ آخر؟
کرنا یہ کیا ہے آخر بھرنا ہے کیا یہ آخر؟

کیا جانے چل رہا ہے مایا کا چکر کب سے؟
پھیلا ہے دو جہاں میں یہ فن یہ مکر کب سے؟

اس کشمکش سے مالک میں تنگ آ گیا ہوں
کیوں قید اس بلا میں آخر کیا گیا ہوں؟

اس سلسلے سے مقصد آخر ہے کیا تمھارا؟
آتا نہیں سمجھ میں کچھ مدّعا تمھارا

مختارِ کُل تو خود ہو مجھ پر ہی پھر بھی تہمت
کیا منصفی یہی ہے کیا ہے یہی عدالت؟

کیوں لاج پھر نہ رکھو پیدا اگر کیا ہے؟
پھر کیوں گریز اس سے ٹھیکا اگر کیا ہے؟

دنیا میں ہر کسی کی اب آس چھوڑ دی ہے
باندھے تھی جو ابھی تک وہ قید توڑ دی ہے

اچھا تمھاری مرضی اب ہونٹ سی رہا ہوں
مرنا ہے اس سے بہتر جینے کو جی رہا ہوں

میں نے گجیندر ہو کر تم سے بنے یہ کی ہے
کتنی مصیبتوں سے آواز تم کو دی ہے

[۱] مایا یعنی طلسم [۲] چکر۔ جسے عام طور پر چکّر کہتے ہیں۔ چرخ۔

میری مدد کو اب بھی آئے اگر نہیں تم — بیٹھے رہے جو یونہیں دنیا سے بےخبر تم

کوئی کبھی نہ لے گا پھر نام بھی تمھارا

بولو۔ یہ اپنی ذلت کیا ہے تمھیں گوارا

کی تھی گجیندر نے یہ فریاد صدق دل سے — آئی تھی لب پہ دل کی روداد صدق دل سے

بھگوان اس بنے سے بیتاب ہو رہے تھے — طعنے دُکھی کے سُن کر آب آب ہو رہے تھے

کیا دل میں ہے کسی کے سب کچھ وہ جانتے ہیں — اور اپنے طالبوں کی ہر بات مانتے ہیں

بیکنٹھ کی فضا سے فوراً نکل پڑے وہ — گجراج جس طرف تھا اس سمت چل پڑے وہ

دی پُشت پر سواری بن کر گرڑ نے باہن — تھا اُن کی قدرتوں کا اک آئینہ سدرشن

یہ چکر ہاتھ میں تھا، جلوہ دکھا رہے تھے — گجراج کی مدد کو سرکار آ رہے تھے

دیکھا گجیندر نے جب یہ دلفریب نظارا — مستی سے جھوم اُٹھا وہ آفتوں کا مارا

کون و مکاں کے اندر کون و مکاں سے باہر — تھی اُس کے دل کی حالت حدِ بیاں سے باہر

شکر و سپاس کا وہ پُتلا بنا ہوا تھا — دل پیکرِ مسرت اس کا بنا ہوا تھا

اک پھول اُس نے توڑا اب سُونڈ سے کنول کا — تھا وہ کنول بھی کیسا یعنی ہزار دل کا

اوپر کی سمت اُس نے پھر پھول یہ اٹھایا — لب پر ثنا یہ لا کر بھگوان پہ چڑھایا

گرڑ ۔ بھگوان وشنو کی سواری — باہن یعنی سواری — سدرشن بھگوان وشنو کا ہتھیار

اے ناتھ[1] اے جگت پت[2] دکھیوں کی آس تم ہو ۔۔۔ بھوکوں کی بھوک تم ہو پیاسوں کی پیاس تم ہو

بھگونت[3]، شیام سندر، جوتی سروپ[4] تم ہو ۔۔۔ تم اندر[5] اندرانی کے بھوگوں[6] کے بھوگ تم ہو

تم ہو شرن[7] کے داتا ہوں میں شرن تمہاری ۔۔۔ مسحور کر رہی ہے مجھکو پھبن تمہاری

بن کر مرے محافظ آئے ہو پاس میرے ۔۔۔ مونس تمہیں بنے ہو ہنگام یاس میرے

اس سمت کر رہا تھا گجراج آہ و زاری ۔۔۔ بھگوان اُس طرف تھے تصویر بیقراری

دل جس کا رکھ رہے تھے بھگتی کی داستاں یہ تھی ۔۔۔ اُترے گرڑ سے فوراً سنکر فغاں یہ اسکی

بھگوان نے چلایا اس طرح کچھ سدرشن ۔۔۔ اس دین[8] اس دکھی کو دیکر خوشی سے درشن

درپیش خاتمہ تھا اس جانستاں مگر کا ۔۔۔ منھ چیر کے رہ گیا تھا ناپاک جانور کا

اب اس کی قید سے تھی گجراج کی رہائی

فریاد ہو رہی تھی وابستہ رسائی

ہیبت اجل کے منھ میں اب گراہ جا چکا تھا ۔۔۔ توڑے تھے جو مظالم پھل اُن کا پا چکا تھا

تھے آسماں سے جاری شہنائیوں کے نغمے ۔۔۔ کرتے تھے وجد طاری شہنائیوں کے نغمے

اس وقت دیوتا تھے مصروف گلفشانی ۔۔۔ مسرور کر رہی تھی مالک کی مہربانی

جتنے رشی منی تھے سب مائل ثنا تھے ۔۔۔ دل پیکر طرب تھا لب حمد آشنا تھے

[1] ناتھ بمعنی مالک [2] جگت پت یعنی مالک کونین [3] بھگونت یعنی معبود [4] جوتی سروپ یعنی سراپا نو[ر]
[5] اندر یعنی راجہ اندر [6] بھوگ یعنی تلذذ [7] شرن یعنی پناہ [8] دین یعنی عاجز۔

وہ گراہ مر کے لیکن پھر جی اٹھا دوبارہ — آنکھوں کے سامنے تھا کچھ اور ہی نظارہ

بیحد جمیل تھا یہ بیحد شکیل تھا یہ — شاہی برس رہی تھی اتنا جلیل تھا یہ

قالب نہ تھا یہ اس کا انسان کا تھا قالب — حیراں تھے ماہ و خور بھی اس شان کا تھا قالب

آنکھیں نہ ٹھہرتی تھیں پوشاک کی چمک پر — اک نور تھا زمیں پر اک نور تھا فلک پر

انداز کچھ نرالا اس کے ظہور کا تھا — اُمڈا ہوا رگوں میں سیلاب نور کا تھا

آنکھوں کے سامنے تھا تینوں جہاں کا مالک — ہر باغ ہر چمن کا ہر گلستاں کا مالک

قدموں پہ اُس کے رکھکر سر اپنا عاجزی سے — تھی تر زباں گویا اس وقت آشتی سے

اشک طرب کا دریا آنکھوں سے بہہ رہا تھا — بھگوان کی شرن میں آکر یہ کہہ رہا تھا

"خوب آپ نے بنایا اے ناتھ کام میرا — گندھرب تھا کبھی میں ہو ہو یہ تھا نام میرا

سکہ مرا رواں تھا بیکنٹھ کی فضا میں — سر میں ہوا بھری تھی اُڑتا تھا میں ہوا میں

اک روز کا ہے قصہ میں سیر کر رہا تھا — ہر نقش آرزو میں سو رنگ بھر رہا تھا

موج رواں کا عالم میری اُڑان میں تھا — اس وقت مسند آرا شاہی ومان[۱] میں تھا

بے فکر دو جہاں سے تھا محو عیش و عشرت — مصروف دلبری تھی میری انیس خلوت

دونوں کی تھیں مرادیں یا تھیں حسین کلیاں — تھیں طرفہ رنگ رلیاں دونوں کی رنگ رلیاں

[۱] ومان یعنی ہوائی جہاز

جھولا سا جھولتے تھے ڈالے گلے میں باہیں — جاری تھا دورِ صہبا مخمور تھیں نگاہیں

رخسار و لب کی قسمت دونوں جگا رہے تھے — اک دوسرے پہ دونوں قربان جا رہے تھے

گم ہوش کر رہا تھا کیا کیا شباب سرکش — اک تیر بن رہا تھا، تھا دوسرا جو ترکش

اس محفلِ طرب میں کچھ اور بھی حسیں تھے — چنچل تھے ماہرو تھے، الھڑ تھے نازنیں تھے

اس دشتِ پُر فضا میں تالاب اک حسیں تھا — حد درجہ دل رُبا تھا حد درجہ دلنشیں تھا

سب عورتوں کو لیکر اُس کے قریں میں اترا — مسحور اس سے ہو کر خندہ جبیں میں اترا

تفریح و سیر سے میں مسرور ہو رہا تھا — صہبائے بیخودی سے مخمور ہو رہا تھا

پانی میں ہو رہی تھیں چہلیں ہنسی خوشی سے — تھیں عیش کی یہ گھڑیاں ہمدوشِ زندگی سے

اک دوسرے پہ باہم پانی اُچھالتے تھے — بیتاب ہو کے باہیں باہوں میں ڈالتے تھے

آبِ رواں کے اوپر بل کھا رہی تھیں زلفیں — موجوں کے ساتھ مل کر لہرا رہی تھیں زلفیں

پانی میں تیرتے تھے مدہوش مست ہو کر — بے پردہ ہو رہے تھے ہوش و حواس کھو کر

آنچل بھی کر رہا تھا تائیدِ بے حجابی — موجوں پہ کھنچ رہی تھی تصویرِ بے نقابی

جامِ شباب رنگیں پانی میں واژگوں تھا — اندازِ تیرنے کا جو بھی تھا پرفسوں تھا

پہلو بدل بدل کر تھی مضطرب جوانی — کرتا تھا چھیڑ اُن سے تالاب کا یہ پانی

یہ جسم نازنیں تھا یا پھول تھا کنول کا — پانی میں ہو رہا تھا سینے کا بوجھ ہلکا
رخ تیرنے میں ہوتا جب آسماں کی جانب — پڑتی تھی چشم ظاہر جوشِ نہاں کی جانب
دو آسمان گویا اوپر ابھر رہے تھے — پانی سے دو پرندے پرواز کر رہے تھے
وارفتگی تھی طاری مجھ پر بھی اس فضا میں — کرتی تھی ہوش غائب پرّاں تھا جس ہوا میں
کر دی تھیں بند آنکھیں عشرت پرستیوں نے — سرگشتہ کر دیا تھا چہلوں نے مستیوں نے
مستی کی ان عدوں سے جب ہم گزر رہے تھے — دیول[1] مہا منی بھی جل سَین[2] کر رہے تھے
سوجھی یہ مہوشوں کو کچھ چھیڑ مہوشی سے — صبر ان کا آزمائیں شوخی سے دل لگی سے
مجھ سے ہوا تقاضا میں کچھ کروں شرارت — ہو جائے مہرشی کا صبر و شکیب غارت
فوراً مری سمجھ پر پتھر پڑے کچھ ایسے — پانی میں گمرہی کے جھنڈے گڑے کچھ ایسے
سرمستیوں میں سوجھی مجھ کو بھی دل لگی کی — ڈبکی لگا کے پکڑی اک ٹانگ مہرشی کی
پھر ٹانگ کھینچ کر میں کچھ دور ان کو لا یا — گم کر کے ہوش ان کے تالاب میں گرایا
سب نے لگائے ٹھٹھے گرنے پہ مہرشی کے — پورے ہوئے تھے ارماں اس وقت ان کے جی کے
دیکھا جو مہوشوں کو آمادۂ شرارت — آمادۂ شرارت دلدادۂ شرارت
آئی شکن جبیں پر، برقِ نگاہ کڑکی — فی الفور بن کے شعلہ غصے کی آگ بھڑکی

[1] دیول۔ ایک مرہٹہ شخص باکمال کا نام ہے [2] جل سین یعنی دریا کے اندر کامل استراحت ہونا۔

شیون میں تھیں رشی کے مظلومیت کی چیخیں — مظلومیت کی چیخیں معصومیت کی چیخیں
چہرے کی تمتماہٹ جھلسا رہی تھی دل کو — فی النار کر رہی تھی دُنیائے آب و گِل کو
اس غیظ اس غضب کی تہ میں تھی نامرادی — دے کر لبوں کو جنبش یوں مجھکو بد دعا دی
"اے نابکار آخر تجھ کو یہ کیا سمائی — اُف رے یہ خودپرستی اُف رے یہ خودنمائی
جو کچھ کیا ہے تُو نے اسکی سزا ملے گی — جیسا مرض ہے تیرا ویسی دوا ملے گی
کھینچی ہے ٹانگ تو نے میری مگر کی صورت — تکلیف سخت دی ہے مجھ کو یہ بے ضرورت
پانی میں تا بمدت رہنا پڑے گا تجھ کو — بے حرمتی کا صدمہ سہنا پڑے گا تجھ کو"
اس بد دُعا سے مجھ کو بیحد ہوئی ندامت — میری ہی شوخیوں نے ڈھائی تھی یہ قیامت
جو کچھ خطا ہوئی تھی اس کی ہوئی تلافی — تھا میں جہاں رشی سے اب طالبِ معافی
کی التجا ادب سے یہ تو بتائیں مجھ کو — تسکینِ دل کی بھی کچھ صورت دکھائیں مجھکو
برباد تو کیا ہے مجھ کو دُعائے بد سے — حاصل نجات ہوگی کب اس بلائے بد سے
میرا سوال سن کر آیا ترس رشی کو — دی ذکرِ عافیت سے تسکین میرے جی کو
بولے ابھی تو یہ دکھ سہنا پڑیگا برسوں — محبوس اس بلا میں رہنا پڑیگا برسوں
لیکن پھر ایک دن تُو پا جائیگا رہائی — پھر دے سکیگی ساتھ تیرا تقدیر کی رسائی

ہوگا گجیندر ہاتھی آکر اسیر تیرا
شامِ الم سمٹ کر بن جائے گی سویرا

ہاتھی کے غم کا درماں بھگوان خود کریں گے
تسکین و عافیت کا سامان خود کریں گے

تیرا لباسِ ہستی اُس وقت چاک ہوگا
قصہ ترا انھیں کے ہاتھوں سے پاک ہوگا

تجھ کو فنا کرے گا بھگوان کا سدرشن
گندھرب پھر بنے گا تو پا کے ان کے درشن

دن آج کل ہے سوامی میری نجات کا دن
اس قید سے رہائی میری ہوئی ہے ممکن

ان کا یہ سب کرم ہے، دیول رشی کے صدقے
تسکینِ دل بہم ہے، دیول رشی کے صدقے

برھما ہیش بھی ہیں محروم جس شرف سے
ہے مجھ پہ اسکی بارش اے ناتھ ہر طرف سے

بیکنٹھ میں مجھے پھر رہنے کی ہو اجازت
پھر اختیار کر لوں میں بھی وہیں سکونت

'ہاں ہاں ضرور' بولے بھگوان مسکرا کر
پُشپک میں خود بٹھایا گندھرب کو اٹھا کر

بیکنٹھ کی طرف جب پُشپک ہوا روانہ
بدلا نئے سرے سے گجراج کا فسانہ

ہاتھی کا جسم اب وہ کافور ہو چکا تھا
قالب جو ظاہری تھا مستور ہو چکا تھا

شاہی لباس میں پھر جلوہ دکھا رہا تھا
معبود کے کرم پر قربان جا رہا تھا

سیرت بدل گئی تھی صورت بدل گئی تھی
تقریر عاجزی کے سانچے میں ڈھل گئی تھی

یوں اُس نے دست بستہ مالک سے التجا کی — گُن گائے صدق دل سے توصیف کی ثنا کی

بولا حضور پہلے میں ایک حکمراں تھا — فرماں مرا تھا جاری سکہ مرا رواں تھا

کرتا تھا میں عبادت دن رات آپ ہی کی — رہتی تھی جو زباں پر تھی بات آپ ہی کی

پُوجا کا شغل جاری ہر دم مکان میں تھا — اک روز کا ہے قصہ میں غرق دھیان میں تھا

بیٹھا ہوا تھا لے کر مستی کا میں سہارا — مجھ کو اگست مُن نے اتنے میں آ پکارا

میں محویت میں انکی آواز سن نہ پایا — محصور تھا بلا میں جب مجھ کو ہوش آیا

گو میری بے رُخی یہ معصوم بے رُخی تھی — لیکن نظر رشی کی مجھ سے پھری ہوئی تھی

بولے کہ بے رُخی یہ کس شرع سے روا ہے — اے ننگِ حکمرانی تو قابلِ سزا ہے

میں پوچھتا ہوں تجھ سے کیا تجھ کو یہ سمائی — آمد پہ میری تجھ کو کرنا تھی پیشوائی

بیٹھا رہا مگر تو جنبش نہ کی ذرا بھی — قائل کروں گا تجھ کو دوں گا تجھے سزا بھی

تھا احترام لازم رشیوں، برہمنوں کا — کیا جانتا نہیں تو منصب ہری[1] جنوں کا

یہ لوگ آئیں گھر پر اور تو نہ ہو مخاطب — یہ طور یہ طریقہ تجھ کو نہ تھا مناسب

ہاتھی کی طرح بیٹھا بدمست ہو کے گھر میں — لایا نہ میہماں کو غافل ذرا نظر میں

ہے یہ قصور تیرا ناقابلِ معافی — کرنا پڑے گی تجھ کو اس جرم کی تلافی

[1] ہری جن سے یہاں مراد ہے بھگوان کے بھگت ۔ محبوبانِ الٰہی

بن جائے تو بھی ہاکنی یہ میری بد دعا ہے
تو نے خطا جو کی ہے اس کی یہی سزا ہے

اس بد دعا کو سن کر تھا وقفِ سر گرانی
میں فرطِ شرم سے تھا اُس وقت پانی پانی

آئی تو شرم بے حد پھر بھی مسگر نہ آئی
کچھ بھی مفر کی صورت مجھ کو نظر نہ آئی

اب میں نے گڑگڑا کر کی عرض یہ رشی سے
اک بات پوچھتا ہوں سرکار عاجزی سے

یہ بد دعا تو دے ہی ڈالی ہے محترم نے
دی ہے سزا یہ مجھ کو مختارِ بیش و کم نے

ممکن بھی کیا کبھی ہے اس قید سے رہائی
بیٹھے بٹھائے مجھ پر ناحق قیامت آئی

آجائے صبر مجھ کو ایسی ہو کچھ عنایت
بہرِ گلو خلاصی دیتے ہیں کیا ہدایت

اس قید اس بَلا سے چھوٹوں گا آہ کیونکر؟
اب زندگی سے ہو گا میرا نباہ کیونکر؟

بولے رشی جوابا۔ آشفتہ حال کیوں ہے؟
انجام کا اب اتنا تجھ کو خیال کیوں ہے؟

پھر بھی نجات حاصل تجھ کو ضرور ہو گی
ہر داغِ دل مٹے گا ہر فکر دور ہو گی

تالاب میں مگر اک پکڑے گا پاؤں تیرا
اس وقت شامِ غم کا ہو جائے گا سویرا

رکھشا کریں گے تیری بیکنٹھ ناتھ آکر
لیں گے شرن میں اپنی فوراً تجھے چھڑا کر

جان اس مگر کی لیکر تجھ کو نجات دیں گے
ہو جائے گا امر تو وہ کائنات دیں گے

کتنا اگستؔ منی کا احسان ہے یہ مجھ پر
دیدار آپ کا یوں مجھ کو ہوا میسّر

ء مگر یعنی مگرمچھ

891.439421
MON

پہلی بار

Ac.No.3834

تعداد اشاعت ۵۰۰

۱۹۵۸ء

قیمت ۳۷ نئے پیسے

آدرش کتاب گھر ۲۹-۱۵۲۸ فیض گنج دریا گنج۔ دہلی

مطبوعہ مطبع محبوب المطابع۔ دہلی

فرما چکے سماعت راجا کی جب کہانی
بھگوان وشنو بھی تھے اب محوِ گلفشانی

اے بھگت راج تجھ سے بیحد نہال ہوں میں
مداح دل سے تیرا بے قیل و قال ہوں میں

جو شخص بھی کرے گا ہر وقت یاد مجھ کو
رکھے گا تا بہ آخر پیش نگاہ مجھ کو

ترکوٹ کی پہاڑی یہ دودھ کا سمندر
تا زیست اگر رہیں گے منقوش دل کے اندر

یہ سنکھ اور پدم یہ، یہ چکر اور گدا یہ
ویدوں کے شاستروں کے اپدیش بے بہا یہ

متسؔ اور کشیپ اوتار ہیں جو میرے
ان قالبوں میں جلوے ضوبار ہیں جو میرے

گنگا کے پاک تیرتھ مشہور چار سو یہ
یہ میرے بھگت لاکھوں پہلاد یہ دھرو یہ

ہر لحظہ ہر نفس ہوں منقوش صفحۂ دل
دل کا ہر ایک مطلب ہو آدمی کو حاصل

خواب زبوں کا اس پہ کوئی اثر نہ ہوگا
صبر و سکوں کا عالم زیر و زبر نہ ہوگا

استت گجیندر کی یہ پڑھتا ہے جو ہمیشہ
رہتا ہے شاد و خرم وہ مرد نیک پیشہ

دیتا ہوں اس کو مکتی اپنی شرن میں لیکر
کرتا ہوں پار بیڑا اس کا میں خود ہی کھے کر

بھگوان نے یہ کہہ کر شمے کرم دکھایا
لیجا کے خود گرڑ پر اس بھگت کو بٹھایا

ناقوس پھر بجا کر سرتاج ہر زمانہ
دنیا سے ہو رہے تھے بیکنٹھ کو روانہ

کہہ کر پریکشت سے گجراج کی کہانی — شکدیو جی ہوئے یوں مصروفِ گلفشانی

پنجے میں گراہ کے تھا جکڑا گجیندر جیسے — آخر میں رہ گیا تھا تنہا گجیندر جیسے

ویسے ہی اہلِ دنیا نخچیرِ ہر بلا ہیں — گم کردۂ ہوس ہیں سرگشتۂ ہوا ہیں

منہ موت کا کھلا ہے سب اسمیں جا رہے ہیں — جو کچھ کیا دھرا تھا پھل اس کا پا رہے ہیں

چھوڑا گجیندر نے جب ہر چیز کا سہارا — بھگوان کو صدا دی فریاد کی پکارا

بھگوان دوڑ کر خود اسکی مدد کو آئے — پھندے سے تھے گج کے جتنے سرکار نے چھڑائے

بالکل اسی طرح سے معذور ہو جو انساں — دنیا کے فکر و غم سے محصور ہو جو انساں

امداد کے لئے بس بھگوان کو پکارے — کشتی جو ہو بھنور میں لگ جائے وہ کنارے

ہو جائے ٹکڑے ٹکڑے آواگون کا چکر — بحرِ فنا کی موجیں لیں اس سے پھر نہ ٹکر

سر پر مصیبتوں کا جب بھی پہاڑ ٹوٹے — ہاتھوں سے آدمی کے دامانِ ہوش چھوٹے

پیشِ نگاہ اس کے ہر وقت ہو کتھا یہ — بیمارِ زندگی کو ہے نسخۂ شفا یہ

پڑھ سن کے اسکو فوراً اس پر یقین لائے — پھر ساتھ دیں سب اس کا اپنے ہوں یا پرائے

دل میں رہے نہ باقی غم کا نشاں ذرا بھی — قدموں پہ اس کے آکر جھک جائیں دیوتا بھی

پھر خواب میں بھی اسکو دکھ ہو کبھی نہ کوئی — پھر ہو نہ وجہ کلفت اس کا قرینہ کوئی

بھگوان خود مہیا درمانِ غم کریں گے
تسکینِ جاوداں کا ساماں بہم کریں گے

ہر وقت یاد اُن کی لازم اسی لئے ہے
وابستہ راحتِ دل صرف انکے دھیان سے ہے

کہتا ہوں سچ منوّر یہ تجربہ ہے میرا
ہوتا ہے اس سے غائب مایوسیوں کا گھیرا

خوابیدگی، قسمت ہوتی ہے دور اس سے
ہوتی ہے دل کی تسکیں حاصل ضرور اس سے

کٹتے ہیں غم کے بندھن مٹتی ہے ناصبوری
کھلتا ہے غنچۂ دل، ہوتی ہے آس پوری

پاتے ہیں وہ مرادیں جو ہیں مراد والے
ہوتا نہیں کبھی دل افکار کے حوالے

دنیا کی آرزو ہو عقبیٰ کا خواہ ارماں
یہ نسخۂ مقدّس ہے ہر مرض کا درماں

عظمت سمجھ کے اسکی اس پر یقین لاؤ
تم بھی اسی کتھا کو اب حرزِ جاں بناؤ

بھگوان کی جو بھگتی جانِ حیات ہو گی
ہر رنج ہر الم سے حاصل نجات ہو گی

ہے اس کتھا کا رتبہ بھگتوں پہ آشکارا
چھوٹا سا یہ صحیفہ دکھیوں کا ہے سہارا

گائے ہیں گیت اس کے گاندھی مہاتما نے
تعریف کی ہے اس کی اُس مردِ بے ریا نے

تم بھی گجیندر بن کر بھگوان کو پکارو
کیسی بھی ہو مصیبت ہمت کبھی نہ ہارو

دنیا کو ہیچ سمجھو، عقبیٰ کو ہیچ سمجھو
ایک ایک آرزو کو مایا کا پیچ سمجھو

بیگانۂ ازل ہو بیگانۂ ابد ہو
کیوں وجہِ صد اذیت فکرِ قبول و رد ہو

یہ دوست یہ اعزا ہیں چند دن کے ساتھی
یہ اقربا احبا ہیں چند دن کے ساتھی

ان سب کے آسرے پر جینے میں کیا مزا ہے
یہ ان کا آسرا بھی کیا کوئی آسرا ہے

رکھنا جو ہے تو رکھو بھگوان کا سہارا
چرنوں پہ اُن کے نکلے نکلے جو دم تمھارا

جب یاد تم کروگے لیں گے خبر تمھاری
اُن کو ہے فکر خود ہی شام و سحر تمھاری

بس بس اب اس کتھا کو تعویذ جاں بنا لو
یوں جنسِ زندگی کو جنسِ گراں بنا لو

ختم ۳ ۔ جون ۱۹۵۰ء

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

منوّر لکھنوی کے دوسرے ادبی کارنامے

کمار سمبھو۔ شہرۂ آفاق شاعر مہاکوی کالی داس کے سنسکرت شاہکار کا لازوال منظوم اُردو ترجمہ۔ قیمت پانچ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

بھگوت گیتا منظوم موسومہ نسیم عرفاں۔ قیمت تین روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

سچّی راہ۔ یعنی بھگوان گوتم بدھ کی تعلیمات "دھمپد" کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ جسے انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ نے شائع کیا ہے۔ قیمت تین روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

وجدانِ حافظ۔ لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے منتخب اشعار کا منظوم اردو ترجمہ

الہاماتِ ایرانی۔ ایرانی زبان کے کثیر التعداد اشعار کا منظوم اُردو ترجمہ (غیر مطبوعہ)

افکارِ بلند۔ مشاہیرِ عالم کے اقوال کا منظوم مجموعہ (غیر مطبوعہ)

نذرِ ادب۔ خمریاتی رباعیوں کا جیبی ایڈیشن۔

زیرۂ گل ـــــ تقریباً ۲۰۰ رباعیوں کا مجموعہ جو حقائق سے لبریز ہے (غیر مطبوعہ)

نوائے کفر۔ منوّر لکھنوی کی غزلوں کا دیوان (غیر مطبوعہ)

نقوشِ منوّر۔ منوّر لکھنوی کی ان نظموں کا مجموعہ۔ جو ۱۹۳۹ء کے بعد کہی گئیں (غیر مطبوعہ)

گیتانجلی۔ ڈاکٹر ٹیگور کی مشہور تصنیف کا اُردو منظوم ترجمہ۔

رامائن والمیکی۔ مہرشی والمیک کے لافانی کارنامے کا منظوم اُردو ترجمہ (مطبوعہ لاہور)

تفریظ منظوم۔ (قرآن شریف کے مطالب منظوم) مختلف سورتوں کا منظوم اردو ترجمہ (غیر مطبوعہ)

درگا سپت شتی۔ (منظوم) یہ بلا قیمت نذر کی جاتی ہے

گجیندر موکھش

گجیندر موکھش کی کتھا حقیقت ہے یا افسانہ، اس سے بحث نہیں، ماننے والوں کے لئے حقیقت ہے، نہ ماننے والوں کے لئے کہانی۔ مگر اتنا جانتا ہوں کہ یہ واقعی یہ ایک عجیب و غریب نسخہ، جو مہرشی وید بیاس کی نادر الزمانہ تصنیف شریمد بھاگوت کا ایک چھوٹا سا اقتباس ہے۔

اس نسخے کی عظمت کا احساس مجھے اُس وقت ہوا جب مہاتما گاندھی نے غیر ملکی حکمرانوں اور محکوم ہندوستان کے درمیان آزادی کی کشمکش کو گجیندر اور گراہ کی لڑائی سے تشبیہہ دے کر مایوسی کے عالم میں بھگوان کو پکارا، کوئٹ انڈیا (Quit India) یا "ہندوستان چھوڑ دو" کے مہامنتر میں اس مہان یوگی نے نجانے کیا درد، کیا تڑپ بھر دی تھی کہ ہمارے حکمرانوں کے دل اندر سے خود بخود لرزنے لگے، اور اُنھیں یہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس مہامنتر کے پس پشت

کوئی ایسی زبردست اور مافوق الطبع طاقت کام کر رہی ہے، جو انھیں ہندوستان چھوڑ دینے پر مجبور کر دے گی۔ گاندھی جی کی تپسیا گیا تھی گجیندر کی فریاد تھی۔ بھگوان نے ان کی مایوسیوں کو امید میں تبدیل کر دیا، اور انگریز ہندوستان کو اپنی غلامی کے شکنجے سے آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ بات اور ہے کہ آزادی ہمیں اس صورت میں حاصل نہیں ہوئی جس میں ہم اُسے دیکھنا چاہتے تھے۔ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم ہونا پڑا، بہر حال اُسے غیر ملکی پنجے سے رہائی تو حاصل ہو گئی۔

اگر ہندوستان میں مہاتما گاندھی ایسی دو چار ہستیاں اور پیدا ہو کر اپنی تپسیا کے بل سے بھگوان کو قابو میں کر لیں تو ہندوستان کی موجودہ تکالیف بھی ہمیشہ کے لئے کافور ہو جائیں۔

مہاتما گاندھی نے جو سند بلا واسطہ گجیندر موکش کو دی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ میں نے بھی بعض اوقات مجبوری کی حالت میں بھگوان کو پکارا ہے، اور بھگوان نے میری سنی ہے۔ وہ سب کی سنتے ہیں، البتہ ہمیں ذرا صبر اور تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ گجیندر موکش کے پاٹھ کی تاثیر کا میں بھی قائل ہوں۔ بیشتر ذہنی کلفت سے نجات کا باعث ہوئی ہے۔

ایک روز بیٹھے بیٹھے دل میں آیا کہ کیوں نہ اس صحیفے کو بھی نظم کر ڈالوں، گجیندر موکش کو اس سے پیشتر کئی اور بزرگ نظم کے زیور سے مزین کر چکے ہیں۔

اس لیے میرے واسطے اس کا نظم کرنا غیر ضروری سا معلوم ہوتا تھا۔ مگر سوال ضرورت یا عدم ضرورت کا نہیں ہے، سوال ہے عقیدے کا، شوق کا۔ اور اگر یہ قول غلط نہیں ہے کہ، ضرورت ایجاد کی ماں ہے، تو یقیناً میری اس نظم کی تہ میں بھی کوئی ضرورت ہوگی۔ خواہ اس ضرورت کا ہمیں احساس ہو خواہ نہ ہو،

روتے بھی سب ہیں، ہنستے بھی سب ہیں، گاتے بھی سب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک شخص کا رونا، ہنسنا یا گانا کافی ہے تو یہ بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ محض ایک شاعر گجیندر موکش کا منظوم نسخہ کسی زبان میں پیش کر دے۔ لیکن اگر ایک شخص کے رونے ہنسنے یا گانے کے علاوہ دوسرے انسان بھی رو سکتے ہیں، ہنس سکتے ہیں اور گا سکتے ہیں، تو میرا گجیندر موکش کو نظم کرنا بھی کچھ بیجا نہیں۔

ہر شخص کا انداز سخن جدا ہوتا ہے، طرز ادا جدا ہوتا ہے۔ ہر شخص کی زبان جدا ہوتی ہے، اس لئے مجھے بھی گجیندر موکش کو جامۂ نظم میں پیش کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

شعر و ادب کے اس ترقی پسند دور میں میری شاعری اور خاص طور پر اس قسم کی شاعری کو لوگ رجعت پسندانہ قرار دیں گے۔ یقیناً میں رجعت پسندی کا الزام سر پر لینا گوارا کروں گا لیکن ترقی پسند دوستوں کے غیر دلچسپ نظریوں کا قائل ہو کر کبھی خودکشی پر آمادہ نہیں ہوں گا۔

میں اپنی فطرت، اپنے رجحانِ طبع سے مجبور ہوں۔ اور اسی لئے تمام
انسانی خامیوں کے باوجود سمجھتا ہوں کہ خدا یا کسی فائق و برتر ہستی میں
یقین و ایمان رکھنا ترقی پسندی میں نہ حارج ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔
ان الفاظ کے ساتھ میں گجینۂ رموکش کا یہ منظوم افسانہ پیش کرتا ہوں۔

بشیشور پرشاد منور لکھنوی

بلبلی خانہ دہلی

۱۱۔ جون سنہ ۱۹۵۰ء

تاریخ کتابت ۴۔ اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ء

گجیندر موکھش

•

برہ گوٹ نام کا اک پربت بڑا حسیں تھا
اُس کا اک اک نظارہ نیرنگ آفریں تھا

روشن تھے اس کے دم سے لاکھوں نگار خانے
اس کی حقیقتوں سے رنگین تھے فسانے

اس کی بلندیوں سے چکر میں تھا فلک بھی
جن بھی فدا تھے اس پر قربان تھے مَلک بھی

میلوں تھا عرض اس کا میلوں تھا طول اس کا
آنکھوں کی روشنی تھی رنگِ قبول اس کا

چاروں طرف وہاں تھا اک دودھ کا سمندر
قدرت کا جوہری تھا مستور اس کے اندر

ہم کیا بتائیں کیا کیا جوہر نہاں تھے اس میں
آئینہ پاش گویا ہفت آسماں تھے اس میں

کیا ذکر ایک دو کا ہر رتن تھا یگانہ
دولت کا تھا خزانہ شوکت کا تھا خزانہ

خورشید دیکھتا تھا جاہ و جلال اُس کا
تھا ماہتاب پرورِ حُسن و جمال اُس کا

تھا تین چوٹیوں سے پایہ بلند اُس کا — تھا ایک ایک منظر یزداں پسند اُس کا
چوٹی اک آہنی تھی اور ایک نقرئی تھی — جو شان تھی نرالی جو بات تھی نئی تھی
تھی تیسری جو چوٹی تھی سر بسر طلائی — تھی اس میں دلفریبی تھی اس میں دلربائی
تینوں سے روشنی کی اک نہر سی رواں تھی — ترتیب اُنکی گویا ترتیبِ کہکشاں تھی
باسی ازل سے اُس کے گندھرب دیوتا تھے — انکی ادا ادا پر سو جان سے فدا تھے
ہر وقت رنگ رلیاں رہتی تھیں وہیں جاری — دُنیائے عاشقی میں تھے محوِ جاں سپاری
زہرہ کی مشتری کی خورشید و مہ کی مرکز — اک شوخ نازنیں تھی سب کی نگہ کا مرکز
ہونٹوں میں چاشنی تھی آنکھوں میں انکی رس تھا — زہرہ وشوں سے پہلو آباد ہر نفس تھا
عشوؤں کے سلسلے تھے غمازیاں تھیں جاری — گلکاریاں تھیں جاری گلبازیاں تھیں جاری
خلوت میں عیش و عشرت جلسے تھے انجمن میں — دولہا بنے ہوئے تھے جو پھول تھے چمن میں
حوضوں میں تھی روانی پیڑوں پہ تھی جوانی — ہر شے سے آئینہ تھے آثارِ زندگانی
رنگیں تھی عکسِ گل سے آبِ رواں کی چادر — سُرمہ بنا ہوا تھا آنکھوں کو سنگِ مرمر
مرغانِ خوشنوا کے نغمے تھے روح پرور — شاخوں پہ جھولنے کا منظر تھا کیف گستر
قدرت نے اک گلستاں گویا سجا دیا تھا — ہر سمت دل کشی کا دریا بہا دیا تھا